بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ الدخان (44)

آیت نمبر (17 تا 29)

ر ھ و

(ن) رَهۡوًا سمندر کا سکون پذیر ہونا۔ ساکن ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 24

ترکیب

(آیت۔ 18)۔ اس آیت میں دو امکانات ہیں۔ اوّل یہ کہ اَدُّوۡا (فعل امر) کا مخاطب اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر کو مانا جائے۔ ایسی صورت میں عِبَادَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہوگا اور ترجمہ ہوگا "کہ تم لوگ واپس کرو میری طرف اللہ کے بندوں کو"۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عِبَادَ اللّٰهِ کو منادیٰ مضاف مانا جائے یعنی اے اللہ کے بندو۔ ایسی صورت میں یہ اَدُّوۡا کا مخاطب ہوگا اور مفعول کو محذوف مانا جائے گا۔ اس طرح ترجمہ ہوگا "کہ واپس کرو میری طرف اے اللہ کے بندو"۔ یعنی اے اللہ کے بندو! اللہ کے حقوق ادا کرو۔ لیکن قرآن مجید میں تین مقامات پر (الاعراف۔ 105)۔ طٰہٰ۔ 47۔ الشعراء۔ 17) اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس لیے ترجمہ میں عموماً پہلی صورت کو ترجیح دی گئی ہے۔

(آیت۔ 19) یہاں بھی اٰتِيۡكُمۡ میں دو امکانات ہیں۔ ایک یہ کہ اٰتِيۡ کو اٰتٰى۔ يَاۡتِيۡ سے واحد متکلم کا صیغہ مانا جائے۔ ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا "میں لاتا ہوں یا لاؤں گا"۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اٰتِيۡ کو اسم الفاعل اٰتِيۡ مانا جائے جس کی تنوین مضاف ہونے کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا "میں لانے والا ہوں"۔ قرآن مجید کے دیگر مقامات پر تفصیلات کا مطالعہ کرنے سے یہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ موسیٰؑ کو واضح سند یعنی معجزات سے مسلح کر کے فرعون کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔ وہ یہ اطلاع دینے نہیں آئے تھے کہ مجھے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور اگر تمہیں سند یعنی پروانہ تقرری چاہیے تو وہ میں لے آؤں گا یا لانے والا ہوں۔ اس لیے قابل ترجیح بات یہ ہے کہ اٰتِيۡ کو واحد متکلم کا صیغہ مانا جائے اور مضارع کے مفہوم کو زمانۂ حال کے ساتھ مخصوص کیا جائے کہ "میں لاتا ہوں یعنی پیش کرتا ہوں"۔

ترجمہ

وَلَقَدۡ فَتَنَّا	قَبۡلَهُمۡ	قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ	وَجَآءَهُمۡ	رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ﴿17﴾
اور بیشک ہم آزما چکے	ان لوگوں سے پہلے	فرعون کی قوم کو	اور آئے ان کے پاس	ایک معزز رسول

اَنۡ	اَدُّوۡۤا اِلَىَّ	عِبَادَ اللّٰهِ ؕ	اِنِّىۡ لَـكُمۡ	رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿18﴾
(اس پیغام کے ساتھ) کہ	تم لوگ واپس کرو میری طرف	اللہ کے بندوں کو	بیشک میں تمہارے لیے	ایک امانتدار رسول ہوں

وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا	عَلَى اللّٰهِ ۚ	اِنِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ	بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۚ ﴿19﴾	وَاِنِّىۡ عُذۡتُ
اور یہ کہ سرکشی مت کرو	اللہ کے خلاف	بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس	ایک واضح سند	اور بیشک میں پناہ میں آتا ہوں

بِرَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ	اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿20﴾	وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِىۡ	فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿21﴾
میرے رب اور تمہارے رب کی	کہ تم لوگ سنگسار کرو مجھ کو	اور اگر تم لوگ بات نہیں مانتے میری	تو کنارہ کش ہو جاؤ مجھ سے

فَدَعَا رَبَّهٗٓ	اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ	قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾	فَاَسْرِ	بِعِبَادِیْ
پھر انہوں نے دعا (فریاد) کی اپنے رب سے	کہ یہ لوگ	جرم کرنے والے لوگ ہیں	تو آپؑ لے کر نکلیں	میرے بندوں کو

لَيْلًا	اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾	وَاتْرُكِ الْبَحْرَ	رَهْوًا	اِنَّهُمْ
رات کے وقت	بیشک تم لوگ پیچھا کیے جانے والے ہو	اور آپؑ چھوڑ دیں سمندر کو	ساکن ہونے کی حالت میں	بیشک وہ لوگ

جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾	كَمْ تَرَكُوْا	مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾
غرق کیے جانے والے لشکر ہیں	کتنے ہی (بہت سے) انہوں نے چھوڑے	باغات اور چشمے

وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾	وَّنَعْمَةٍ	كَانُوْا فِيْهَا	فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾	كَذٰلِكَ
اور کھیتیاں اور باعزت ٹھہرنے کی جگہ	اور نعمت	وہ لوگ تھے جس میں	ہنسنے ہنسانے والے	اسی طرح ہوا

وَاَوْرَثْنٰهَا	قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾	فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ
اور ہم نے وارث بنایا ان (چیزوں) کا	دوسرے لوگوں کو	تو نہیں روئے ان پر

السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ	وَمَا كَانُوْا	مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾
زمین و آسمان	اور نہ وہ تھے	مہلت دیے جانے والے

نوٹ: 1

قریش اور قومِ فرعون کے حالات میں مشابہت کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارے کیے ہیں۔ یہاں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جس طرح کے امتحان میں ہم نے قریش کو ڈالا ہے اسی طرح کے امتحان میں ہم نے اس سے پہلے قومِ فرعون کو بھی ڈالا تھا۔ جس طرح ان کو سامانِ عیش کی فراوانی حاصل ہے اسی طرح اُن کو بھی دولت و نعمت کی کثرت عطا ہوئی تھی۔ پھر جس طرح ان کی طرف ایک معزز رسول انذار اور اتمام حجت کے لیے آیا تھا اسی طرح ان کی طرف بھی ایک باعزت رسول آیا ہے۔ اس لیے جو انجام اُن کا ہوا تھا وہی انجام لازماً ان کا بھی ہونا ہے اگر انہوں نے بھی انہی کی روش اختیار کی۔ (تدبر قرآن)۔

اس حوالہ سے بات بھی سمجھ لیں کہ کچھ لوگوں کو قرآن میں تکرار (Repetition) کی شکایت کی وجہ کیا ہے۔ قرآن مجید کے کسی خطبہ میں جو بات سمجھانی مقصود ہوتی ہے، اس کے حق میں ہر خطبہ میں جہاں اور دلائل دیئے گئے ہیں وہیں تاریخی شواہد بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جن لوگوں کا ذہن موضوع کلام سے ان تاریخی واقعات کا ربط قائم نہیں کر پاتا ان کی طبیعت پر مختلف اقوام کا بار بار ذکر کرنا گراں گزرتا ہے۔

نوٹ: 2

آیت۔ 23۔ میں بِعِبَادِیْ کے لفظ کا مطلب ہے وہ تمام بندے جو ایمان لائے ہیں۔ ان میں بنی اسرائیل بھی تھے اور مصر کے وہ قبطی باشندے بھی جو حضرت یوسفؑ کے زمانے سے حضرت موسیٰؑ کی آمد تک مسلمانوں میں شامل ہو چکے تھے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی نشانیاں دیکھ کر اور آپؑ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اہل مصر میں سے ایمان قبول کیا تھا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 3

یہاں آیت۔ 28 میں اَوْرَثْنٰهَا میں هَا کی ضمیر ان ہی چیزوں کے لیے ہے جو فرعون اور اس کے درباریوں کے تصرف میں تھیں۔ ان کے لیے فرمایا کہ ہم نے ان کا وارث دوسرے لوگوں کو بنایا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصریوں ہی میں سے دوسرے لوگ ان پر قابض ہوئے۔ الشعراء کی آیت۔ 59 میں الفاظ آئے ہیں اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس کے نوٹ۔ 2۔ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہاں هَا کی ضمیر ان

ہی چیزوں کے لیے نہیں بلکہ ان جیسی چیزوں کے لیے ہے اور اسی نوٹ میں ضمائر کے مفہوم میں اس قسم کی تبدیلی کی سند کے طور پر سورۂ مائدہ کی آیت۔102۔کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے۔

6796

آیت نمبر (30 تا 42)

ترجمہ

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝	مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ
اور بیشک ہم نجات دے چکے	بنی اسرائیل کو	اُس ذلیل کرنے والے عذاب سے	جو فرعون (کی طرف) سے تھا

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا	مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝	وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ	عَلٰي عِلْمٍ	عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝
بیشک وہ ایک سرکشی کرنے والا تھا	حد سے گزرنے والوں میں سے	اور بیشک ہم نے چنا تھا ان کو	ایک علم (کی بنیاد) پر	تمام جہاں والوں پر (سے)

وَاٰتَيْنٰهُمْ	مِّنَ الْاٰيٰتِ	مَا	فِيْهِ	بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ۝	اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ	لَيَقُوْلُوْنَ ۝
اور ہم نے دیا ان کو	نشانیوں میں سے	وہ	جس میں	کھلی آزمائش تھی	بیشک یہ لوگ	یقیناً کہتے ہیں

اِنْ هِىَ	اِلَّا	مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى	وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝	فَاْتُوْا	بِاٰبَاۗىِٕنَآ
نہیں ہے یہ (انجام)	سوائے	ہمارے پہلی بار مرنے کے	اور ہم نہیں ہیں دوبارہ اٹھائے جانے والے	تو تم لوگ لے آؤ	ہمارے باپ دادا کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	اَهُمْ خَيْرٌ	اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ	وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
اگر تم لوگ سچے ہو	کیا یہ لوگ بہتر ہیں	یا تبع کی قوم	اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے

اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ	اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝	وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
ہم نے ہلاک کیا ان کو	بیشک وہ لوگ مجرم تھے	اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا	لٰعِبِيْنَ ۝	مَا خَلَقْنٰهُمَآ	اِلَّا بِالْحَقِّ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
اور اس کو جو ان دونوں کے درمیان ہے	کھیلنے والا ہوتے ہوئے	ہم نے نہیں پیدا کیا دونوں کو	مگر حق کے ساتھ	اور لیکن ان کی اکثریت

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ	مِيْقَاتُهُمْ	اَجْمَعِيْنَ ۝	يَوْمَ	لَا يُغْنِيْ
جانتی نہیں ہے	بیشک فیصلے کا دن	ان کا طے شدہ وقت ہے	سب کے لیے	جس دن	کام نہ آئے گا

مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى	شَيْــــًٔا	وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝	اِلَّا مَنْ
کوئی ساتھی کسی ساتھی کے	ذرا بھی	اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی	سوائے اس کے جس پر

رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ	اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ	الرَّحِيْمُ ۝
رحم کیا اللہ نے	بیشک وہی بالادست ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

نوٹ:1 آیت۔32۔میں عَلٰي عِلْمٍ کے الفاظ سے تاریخ کے اس فلسفہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں قوموں کا عزل و نصب (معزول

ہونا اور منصب پر فائض ہونا) اتفاقی واقعات کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کسوٹی پر جانچ کر جس قوم کو اہل پاتا ہے اس کو منتخب کرتا ہے اور جس کو نااہل پاتا ہے اس کو رد کر دیتا ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو معزول ہوئے ہیں وہ دوسروں کو الزام دینے کے بجائے اپنی نالائقی پر سر پیٹیں اور جو اقتدار پر آئے وہ فخر و غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اللہ کے شکرگزار ہوں اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی فکر کریں۔ اس دنیا کے عروج و زوال کا سارا نقشہ اللہ تعالیٰ مرتب کرتا ہے اور اس کی بنیاد تمام تر قوموں کے اخلاق و کردار پر ہوتی ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2 قبیلۂ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تبّع تھا۔ یہ لوگ قومِ سبا کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۱۵ء قبل مسیح میں ان کو سبا کے ملک (یعنی یمن) پر غلبہ حاصل ہوا اور ۳۰۰ء تک یہ لوگ حکمران رہے۔ عرب میں صدیوں تک ان کی عظمت کے افسانے عام رہے۔

آیت نمبر (43 تا 59)

غ ل ی

(ض) غَلْیًا جوش مارنا۔ ابلنا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 45۔

ع ت ل

(ن۔ض) عَتْلًا سختی سے کھینچنا۔ گھسیٹنا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 47۔

عُتُلٌّ ترش رو۔ سخت مزاج۔ ﴿عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾﴾ (68/القلم:13) ''بدمزاج اس کے بعد بدذات۔''

ترجمہ

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾	طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾	كَالْمُهْلِ	يَغْلِيْ
بیشک تھوہر کا درخت	گنہگار کا کھانا ہے	پگھلی ہوئی دھات کی مانند	وہ ابلتا ہے

فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾	كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾	خُذُوْهُ	فَاعْتِلُوْهُ	اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾
پیٹوں میں	جیسے گرم پانی کا ابلنا	تم لوگ پکڑو اس کو	پھر گھسیٹو اس کو	دوزخ کے بیچ (مرکز) کی طرف

ثُمَّ صُبُّوْا	فَوْقَ رَاْسِهٖ	مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾	ذُقْ	اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
پھر انڈیلو	اس کے سر کے اوپر	جلتے پانی کے عذاب میں سے	تو چکھ	بیشک تو ہی زبردست

الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾	اِنَّ هٰذَا مَا	كُنْتُمْ بِهٖ	تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾	اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾
باعزت ہے	بیشک یہ ہے وہ	تم لوگ جس کے بارے میں	شک کرتے تھے	بیشک متقی لوگ	امن والی ٹھہرنے کی جگہ میں ہوں گے

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾	يَّلْبَسُوْنَ	مِنْ سُنْدُسٍ	وَّاِسْتَبْرَقٍ	مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾
باغات اور چشموں میں	وہ لوگ پہنیں گے	باریک ریشم کی	اور چمکیلی پوشاک میں سے	آمنے سامنے ہوئے ہوئے

كَذٰلِكَ	وَزَوَّجْنٰهُمْ	بِحُوْرٍ	عِيْنٍ ﴿۵۴﴾	يَدْعُوْنَ فِيْهَا
ایسے ہی ہوگا	اور ان کے ہم جوڑے بنادیں گے	خوبصورت آنکھوں	بڑی آنکھوں والیوں سے	وہ لوگ بلائیں (مانگیں) گے اس میں

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ	اٰمِنِيْنَ ۙ۝۵۵	لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا	الْمَوْتَ	اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ
ہر میوے کو	امن میں ہونے والے ہوتے ہوئے	وہ لوگ چکھیں گے اس میں	موت کو	سوائے پہلی بار مرنے کے

وَوَقٰىهُمْ	عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۙ۝۵۶	فَضْلًا	مِّنْ رَّبِّكَ ؕ
اور وہ (اللہ) بچائے گا ان کو	دوزخ کے عذاب سے	فضل ہوتے ہوئے	آپؐ کے رب (کی طرف) سے

ذٰلِكَ	هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۵۷	فَاِنَّمَا	يَسَّرْنٰهُ
یہ ہی	شاندار کامیابی ہے	تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	ہم نے آسان کیا اس (قرآن) کو

بِلِسَانِكَ	لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸	فَارْتَقِبْ	اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝۵۹ ع
آپ کی زبان میں	شاید یہ لوگ نصیحت پکڑیں	تو آپ انتظار کریں	بیشک یہ لوگ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں

نوٹ:1 امن والی جگہ سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ کوئی غم، کوئی پریشانی، کوئی اندیشہ، کوئی مشقت اور تکلیف لاحق نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی خستہ حال نہ ہو گے، ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ (تفہیم القرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجاثیۃ (45)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترکیب آیت۔3 میں لَاٰيٰتٍ، اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قائم مقام خبر ہے کیونکہ خبر محذوف ہے جو کہ مَوْجُوْدٌ یا ثَابِتٌ ہو سکتی ہے جبکہ آیات۔4۔5 میں اٰيٰتٌ مبتدا موخر نکرہ ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہیں۔ آیت۔5۔ میں وَاخْتِلَافِ اور تَصْرِيْفِ کی جر سابقہ آیت میں فِيْ خَلْقِكُمْ کی فِيْ پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح سے مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ میں مَا بھی اسی فِيْ پر عطف ہے اور محلاً حالت جر میں ہے۔

ترجمہ

حٰمٓ ۝۱ ۚ	تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ	مِنَ اللّٰهِ	الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲	اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
۔	اس کتاب کا اتارنا	اللہ (کی طرف) سے ہے	جو بالادست ہے حکمت والا ہے	بیشک آسمانوں اور زمین میں

لَاٰيٰتٍ	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ ؕ	وَفِيْ خَلْقِكُمْ	وَمَا	يَبُثُّ	مِنْ دَآبَّةٍ
یقیناً نشانیاں ہیں	ایمان لانے والوں کے لیے	اور تمہارے پیدا کرنے میں	اور اس میں جو	وہ بکھیرتا ہے	جاندار میں سے

اٰيٰتٌ	لِّقَوْمٍ	يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ ۙ	وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ	وَمَآ	اَنْزَلَ اللّٰهُ
نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے جو	یقین کرتے ہیں	اور رات اور دن کے آنے جانے میں	اور اس میں جو	اتارا اللہ نے

مِنَ السَّمَآءِ	مِنْ رِّزْقٍ	فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ	بَعْدَ مَوْتِهَا	وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
آسمان سے	رزق میں سے (پانی)	پھر اس نے زندہ کیا اس سے زمین کو	اس کے مردہ ہونے کے بعد	اور ہواؤں کے بار بار گھمانے پھرانے میں

اٰيٰتٌ	لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ۝5	تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ	نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے جو	عقل استعمال کرتے ہیں	یہ اللہ کی آیتیں ہیں	ہم انہیں پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو

بِالْحَقِّ ۚ	فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ	بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ	يُؤْمِنُوْنَ ۝6
حق کے ساتھ	پھر کون سی بات پر	اللہ اور اس کی نشانیوں کے بعد	یہ لوگ ایمان لائیں گے

نوٹ: 1

کائنات کی مختلف نشانیاں بیان فرما کر ایک جگہ یہ فرمایا ہے کہ اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، دوسری جگہ فرمایا کہ یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور تیسری جگہ ہے کہ عقل رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان نشانیوں سے پورا فائدہ تو وہی اٹھا سکتے ہیں جو ایمان لے آئیں، دوسرے نمبر پر یہ ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتی ہیں جو فوراً ایمان نہ لائیں لیکن ان کے دل میں یقین پیدا ہو جائے کہ یہ چیزیں توحید پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ یہ یقین کسی نہ کسی دن ایمان کا سبب بن سکتا ہے اور تیسرے درجے میں ان لوگوں کے لیے مفید ہیں جو کم از کم عقل سلیم رکھتے ہوں اور ان میں بصیرت کے ساتھ غور کریں، کیونکہ عقل و بصیرت کے ساتھ جب بھی ان نشانیوں پر غور کیا جائے گا تو یقین اور ایمان ضرور پیدا ہوگا۔ ہاں جو لوگ عقل سلیم نہ رکھتے ہوں یا ان معاملات میں عقل کو تکلیف دینا بھی گوارہ نہ کریں ان کے سامنے ہزار دلائل پیش کرنا بھی ناکافی ہے۔ (معارف القرآن)۔

اس سے ایک بڑی اہم حقیقت یہ واضح ہوئی کہ قرآن کی دعوت جبر یا تحکم پر مبنی نہیں ہے بلکہ تمام تر آفاق و انفس کے واضح دلائل اور عقل و فطرت کی بنیات پر مبنی ہے۔ جو لوگ ان کو نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ مخفی ہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ وہ ان کو اپنے نفس کی خواہشوں کے خلاف پاتے ہیں اس وجہ سے ان سے گریز کرتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 15)

ترکیب

آیت۔8۔ میں کَاَنْ دراصل کَاَنَّ ہی ہے۔ اَنَّ۔ اِنَّ۔ لٰكِنَّ وغیرہ کے بعد فعل نہیں آتا، اسم ہی آتا ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو خفیف کر لیں جیسے اَنْ۔ اِنْ۔ لٰكِنْ وغیرہ تو پھر یہ عامل نہیں رہتے، یعنی اپنے اسم کو نصب نہیں دیتے۔ اس لیے ان کے بعد فعل بھی آسکتا ہے لیکن معانی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ آیت۔ 11۔ اَلِيْمٌ کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ عَذَابٌ کی صفت یا بدل ہے۔ اگر یہ اَلِيْمٍ ہوتا تو پھر یہ رِجْزٍ کی صفت ہوتی۔

ترجمہ

وَيْلٌ	لِّكُلِّ اَفَّاكٍ	اَثِيْمٍ ۝7	يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ	تُتْلٰى عَلَيْهِ	ثُمَّ يُصِرُّ
تباہی ہے	ہر ایک بہتان باز	پکے گنہگار کے لیے	وہ سنتا ہے اللہ کی آیات کو	جو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں اس کو	پھر وہ اڑتا ہے (کفر پر)

مُسْتَكْبِرًا	كَاَنْ	لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ	فَبَشِّرْهُ	بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝8	وَاِذَا عَلِمَ
بڑا بنتے ہوئے	جیسے کہ	اس نے سنا ہی نہ تھا ان کو	تو آپ بشارت دیں اس کو	ایک دردناک عذاب کی	اور جب کبھی وہ جان لیتا ہے

مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا	اتَّخَذَهَا	هُزُوًا ؕ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؕ ⑨
ہماری آیات میں سے کوئی چیز	تو وہ بناتا اس کو	مذاق کا ذریعہ	یہ وہ لوگ ہیں	جن کے لیے	ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے

مِنْ وَّرَآئِهِمْ	جَهَنَّمُ ۚ	وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ	مَّا كَسَبُوْا	شَيْـًٔا	وَّلَا مَا
ان کے پیچھے	جہنم ہے	اور کام نہ آئے گا ان کے	وہ جو انہوں نے کمایا	کچھ بھی	اور نہ ہی وہ جن کو

اتَّخَذُوْا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اَوْلِيَآءَ ۚ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ ⑩	هٰذَا هُدًى ۚ
انہوں نے بنایا	اللہ کے علاوہ	کارساز	اور ان کے لیے	ایک عظیم عذاب ہے	یہ (قرآن) ہدایت ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ	لَهُمْ عَذَابٌ	مِّنْ رِّجْزٍ	اَلِيْمٌ ۧ ⑪
اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	اپنے رب کی آیات کا	ان کے لیے ایک ایسا عذاب ہے	گندگی میں سے	جو دردناک ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ	سَخَّرَ لَكُمُ	الْبَحْرَ	لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ	بِاَمْرِهٖ
اللہ وہ ہے جس نے	مطیع کیا تمہارے لیے	سمندر کو	تاکہ چلیں کشتیاں اس میں	اس کے حکم سے

وَلِتَبْتَغُوْا	مِنْ فَضْلِهٖ	وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ ⑫	وَسَخَّرَ لَكُمْ	مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
اور تاکہ تم لوگ تلاش کرو	اس کے فضل میں سے	اور شاید کہ تم لوگ شکر ادا کرو	اور اس نے مطیع کیا تمہارے لیے	اس کو جو آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ	جَمِيْعًا	مِّنْهُ ؕ	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑬
اور اس کو جو زمین میں ہے	سب کے سب کو	اپنے (فضل) سے	بیشک اس میں	یقیناً نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے	جو سوچ بچار کرتے ہیں

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	يَغْفِرُوْا	لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ	اَيَّامَ اللّٰهِ	لِيَجْزِيَ
آپ کہہ دیجیے ان سے جو ایمان لائے	وہ درگزر کریں	ان سے جو امید نہیں رکھتے	اللہ کے (گرفت کرنے کے) دنوں کی	تاکہ وہ بدلہ دے

قَوْمًا	بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭	مَنْ عَمِلَ صَالِحًا	فَلِنَفْسِهٖ ۚ
ایک قوم کو	بسبب اس کے جو وہ کمائی کرتے تھے	جس نے عمل کیا کسی نیکی کا	تو (وہ) اس کی اپنی جان کے لیے ہے

وَمَنْ اَسَآءَ	فَعَلَيْهَا ۡ	ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ	تُرْجَعُوْنَ ⑮
اور جس نے بُرا کیا	تو (وہ) اس پر (وبال) ہے	پھر تمہارے رب کی طرف ہی	تم سب لوٹائے جاؤ گے

نوٹ: 1 اَفَّاکٌ کے معنی ہیں حقائق کی قلب ماہیت کر دینے والا۔ یعنی خدا کی آیات اور اس کی نشانیاں تو کسی اور حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہوں لیکن وہ محض اپنی خواہشات نفس کی بندگی میں اس حقیقت کو بالکل بدل دے۔ اس کے مصداق اوّل تو قریش کے مشرکین تھے لیکن اس کے عام مصداق میں ہر دور کے وہ محترفین دین شامل ہیں جو اللہ کی آیات اور اس کے احکام میں اپنی خواہشات کے تحت تحریف کے مرتکب ہوئے یا ہو رہے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2 آیت۔ 8۔ میں مستکبرین کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو وہ اس وقت اختیار کرتے جب نبی ﷺ بذات خود ان کو قرآن سنانے کی کوشش فرماتے۔ آیت۔ 9۔ میں ان کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو وہ اس وقت اختیار کرتے جب قرآن کی کوئی بات ان کو کسی اور واسطہ سے پہنچتی یہ امر ملحوظ رہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں قریش کے اندر ایسے لوگ بھی تھے جو غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ قرآن کی آیتیں سنتے اور ان سے متاثر

بھی ہوتے۔ اس طرح کے لوگ ان آیتوں کو اپنے سرداروں کے علم میں لاتے تا کہ ان کی رائے معلوم کریں۔ ان کے سردار تاڑ جاتے کہ لوگ ان آیات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اس اثر سے لوگوں کو بچانے کے لیے وہ یہ تو نہیں کر سکتے تھے کہ دلیل سے قائل کر دیں۔ واحد تدبیر یہی تھی کہ قرآن کی بات کا مذاق اڑائیں تا کہ کسی پر اس کا کوئی اثر نہ ہونے پائے۔ اس قسم کی حرکت اگر چہ کچھ زیادہ کارگر نہیں ہوتی تاہم وقتی طور پر کمزور رائے کے لوگ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ حرب ہر دور کے شیاطین حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3 آیت۔ 14۔ میں ایام اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ عربی محاورے میں ایسے مواقع پر ایام سے مراد وہ دن ہوتے ہیں جس میں اہم تاریخ واقعات پیش آئے ہوں۔ یہاں ایام اللہ سے مراد کسی قوم کے وہ بُرے دن ہیں جب اللہ کا غضب ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو تباہ کر دے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے تھا جب مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی پھر جب اس کی اجازت آ گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہ رائے درست نہیں ہے۔ درگزر کا لفظ اس معنی میں کبھی نہیں بولا جاتا کہ جب آدمی بدلہ لینے پر قادر نہ ہو تو درگزر کرے، بلکہ اس موقع پر صبر، تحمل اور برداشت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کو چھوڑ کر جب یہاں درگزر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مفہوم نکلتا ہے کہ اہل ایمان انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود بدلہ لینے سے پرہیز کریں۔ اس حکم کا کوئی تعارض ان آیات سے نہیں ہے جن میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگ کی اجازت کا تعلق اس حالت سے ہے جب مسلمانوں کی حکومت کسی کافر قوم کے خلاف باقاعدہ کاروائی کرنے کی معقول وجہ پائے۔ اور درگزر کرنے کا حکم ان عام حالات کے لیے ہے جن میں اہل ایمان کو خدا سے بے خوف لوگوں کے ساتھ کسی طرح سے سابقہ پیش آئے اور وہ انہیں اپنی زبان یا قلم یا اپنے برتاؤ سے ان کو اذیت دیں۔ اس حکم کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان اپنے مقام بلند سے نیچے اتر کر ان پست اخلاق لوگوں سے الجھنے اور ان کو جواب دینے پر نہ اتر آئیں۔ جب تک شرافت اور معقولیت کے ساتھ کسی الزام یا اعتراض کا جواب دینا یا کسی زیادتی کی مدافعت کرنا ممکن ہو، اس سے پرہیز نہ کیا جائے۔ مگر جہاں بات ان حدود سے گرتی نظر آئے تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (16 تا 21)

ترجمہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ	وَرَزَقْنٰهُمْ
اور بیشک ہم دے چکے	بنی اسرائیل کو	کتاب اور حکومت اور نبوت	اور ہم نے روزی دی ان کو

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	وَفَضَّلْنٰهُمْ	عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﯮ	وَاٰتَيْنٰهُمْ	بَيِّنٰتٍ
پاکیزہ (چیزوں) میں سے	اور ہم نے فضیلت دی ان کو	سارے جہانوں پر	اور ہم نے دیں ان کو	روشن (نشانیاں)

مِّنَ الْاَمْرِ ۚ	فَمَا اخْتَلَفُوْٓا	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	مَا جَاۗءَهُمُ	الْعِلْمُ
اس معاملہ (یعنی دین) میں سے	تو انہوں نے اختلاف نہیں کیا	مگر اس کے بعد سے	(کہ) جو آیا ان کے پاس	علم

بَغۡيًا	بَيۡنَهُمۡ ؕ	اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ	بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	فِيۡمَا
سرکشی کرتے ہوئے	اپنے درمیان	بے شک آپؐ کا رب فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان قیامت کے دن	اس میں

كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾	ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ	عَلٰى شَرِيۡعَةٍ	مِّنَ الۡاَمۡرِ
وہ لوگ جس میں اختلاف کرتے تھے	پھر ہم نے رکھا آپؐ کو	ایک ضابطہ پر	اس معاملہ (دین) میں سے

فَاتَّبِعۡهَا	وَلَا تَتَّبِعۡ	اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ	لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸﴾	اِنَّهُمۡ	لَنۡ يُّغۡنُوۡا عَنۡكَ
تو آپؐ پیروی کریں اس کی	اور آپؐ پیروی مت کریں	ان کی خواہشات کی جو	علم نہیں رکھتے	بیشک یہ لوگ	ہرگز کام نہ آئیں گے آپؐ کے

مِنَ اللّٰهِ	شَيۡـــًٔا ؕ	وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ	بَعۡضُهُمۡ	اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۚ	وَاللّٰهُ
اللہ (کے سامنے) سے	کچھ بھی	اور بیشک ظالم لوگ	ان کا کوئی	کسی کا کارساز ہے	اور اللہ

وَلِىُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۹﴾	هٰذَا بَصَآئِرُ	لِلنَّاسِ	وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ	لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾
متقی لوگوں کا کارساز ہے	یہ سمجھ میں آنے والی دلیلیں ہیں	لوگوں کے لیے	اور ہدایت اور رحمت ہے	ایسے لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں

اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ	اجۡتَرَحُوا	السَّيِّاٰتِ	اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ	كَالَّذِيۡنَ	اٰمَنُوۡا
یا ان لوگوں نے گمان کیا جنہوں نے	ڈٹ کے کمائیں	برائیاں	کہ ہم بنا دیں گے ان کو	ان لوگوں کے جیسا	جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ	سَوَآءً	مَّحۡيَاهُمۡ	وَمَمَاتُهُمۡ ؕ	سَآءَ	مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ع
اور عمل کیے نیکیوں کے	برابر ہوتے ہوئے	ان کا عرصۂ حیات	اور ان کا عرصۂ موت	بُرا ہے	وہ جو یہ لوگ حکم لگاتے ہیں

نوٹ:1 آیت 17۔ سے ایک نہایت اہم حقیقت یہ واضح ہوئی کہ دین کی کسی بات کے سمجھنے میں اختلاف رائے ہونا نہ کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ یہ دین اور اہل دین کے لیے کوئی نقصان دہ چیز ہے۔ اہل علم میں اس طرح کا اختلاف ہوا ہے اور ہو سکتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کی محرک اگر باہمی چشمک اور رقابت ہے اور ایک دوسرے کو زک پہنچانے اور پچھاڑنے کی خواہش ہے، تو یہ چیز بلاشبہ سارے دین کا تیا پانچا کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی نوعیت کے اختلاف نے اہل کتاب کو اللہ کی روشنی سے محروم کیا اور اسی قسم کے اختلافات نے مسلمانوں کو تباہی میں ڈالا۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (22 تا 26)

د ھ ر

(ف) دَهۡرًا کسی کو کوئی بات پہنچنا۔

دَهۡرٌ مدتِ دراز۔ لمبا زمانہ۔ اصل میں دھر مدت عالم کو کہتے ہیں یعنی ابتداء آفرینش سے لے کر اس کے اختتام تک کا عرصہ ((لَا تَسُبُّوا الدَّهۡرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهۡرُ)) ’’تم لوگ زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔‘‘ حدیث (مفردات القرآن) زیر مطالعہ آیت۔ 24۔

ترجمہ

وَخَلَقَ اللّٰهُ	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	بِالْحَقِّ	وَلِتُجْزٰی	كُلُّ نَفْسٍۢ
اور پیدا کیا اللہ نے	آسمانوں اور زمین کو	حق کے ساتھ	اور تاکہ بدلہ دیا جائے	ہر جان کو

بِمَا كَسَبَتْ	وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٢٢	اَفَرَءَيْتَ	مَنِ اتَّخَذَ	اِلٰهَهٗ
اس کا جو اس نے کمایا	اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا	تو کیا آپؐ نے دیکھا	اس کو جس نے بنایا	اپنا الٰہ

هَوٰىهُ	وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ	عَلٰی عِلْمٍ	وَّخَتَمَ	عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ
اپنی خواہش کو	اور بھٹکا دیا اس کو اللہ نے	ایک علم کے باوجود	اور اس نے مہر لگا دی	اس کی سماعت اور اس کے دل پر

وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ	غِشٰوَةً ؕ	فَمَنْ يَّهْدِيْهِ	مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٢٣
اور اس نے بنایا اس کی بصارت پر	ایک پردہ	تو کون اس کی راہنمائی کرے گا	اللہ کے بعد	تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے

وَقَالُوْا	مَا هِیَ	اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	نَمُوْتُ وَنَحْيَا
اور انہوں نے کہا	نہیں ہے یہ	سوائے ہمارے اس دنیوی زندگی کے	ہم (خود ہی) مرتے ہیں اور ہم زندہ رہتے ہیں

وَمَا يُهْلِكُنَآ	اِلَّا الدَّهْرُ ۚ	وَمَا لَهُمْ	بِذٰلِكَ	مِنْ عِلْمٍ ۚ
اور نہیں ہلاک کرتا ہم کو (کوئی)	سوائے اس زمانے کے	اور نہیں ہے ان کے لیے	اس کے بارے میں	کوئی بھی علم

اِنْ هُمْ	اِلَّا	يَظُنُّوْنَ ۝٢٤	وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ
نہیں ہیں یہ لوگ	مگر (یہ کہ)	گمان کرتے ہیں	اور جب کبھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو	ہماری آیتیں	واضح ہوتے ہوئے

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ	اِلَّآ اَنْ	قَالُوا	ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ	اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٢٥
تو نہیں ہوتی ان کی حجت	سوائے اس کے کہ	کہ وہ کہتے ہیں	تم لوگ لاؤ ہمارے باپ دادا کو	اگر تم لوگ سچے ہو

قُلِ اللّٰهُ	يُحْيِيْكُمْ	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ
آپؐ کہیے اللہ ہی	زندگی دیتا ہے تم لوگوں کو	پھر وہ موت دیتا ہے تمہیں	پھر وہ جمع کرے گا تم سب کو

اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	لَا رَيْبَ فِيْهِ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٢٦ ع
قیامت کے دن کی طرف	کوئی بھی شک نہیں ہے جس میں	اور لیکن لوگوں کے اکثر	جانتے نہیں ہیں

نوٹ: 1

یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا مگر اس آیت (نمبر۔ ۲۳) نے بتا دیا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے تو وہ ہی اس کا معبود ہے۔ اللہ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں اللہ کا حکم ماننے کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو چاہے وہ زبان سے اپنے نفس کو اپنا معبود نہ کہے مگر حقیقتاً وہی اس کا معبود ہوا۔ جس نے اپنی خواہشات کو ہی امام بنا لیا اور ان کے پیچھے چلنے لگا تو گویا یہ خواہشات ہی اس کا بت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کے نیچے دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ''ہوٰی'' ہے یعنی خواہش نفسانی۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

(آیت۔24 میں) یہ قول کہ ہمیں گردشِ روزگار ہلاک کرتی ہے۔جس طرح ایک درخت اگتا ہے۔اپنی پختگی کو پہنچتا ہے اور ایک دن سوکھ کر فنا ہوجاتا ہے۔اسی طرح ہم بھی پیدا ہوتے ہیں پھر گردش روزگار کے کسی تھپیڑے سے یا تو بچپن یا جوانی ہی میں فنا ہوجاتے ہیں یا بڑھاپے کو پہنچ کر مرجاتے ہیں۔(جیسے تمام پودے بھی پختگی کو نہیں پہنچتے)۔لیکن ان کا یہ قول انکار خدا کے معنیٰ میں نہیں تھا بلکہ اس سے وہ قرآن کے اس فلسفۂ تاریخ کی نفی کرنا چاہتے تھے جو قرآن نے نہایت تفصیل کے ساتھ سنایا ہے کہ پچھلی قومیں اپنے عقائد و اعمال کے فساد کے نتیجے میں تباہ ہوئیں۔ یہ انزار (وارننگ) چونکہ بالکل مبنی بر حقیقت تھا اس وجہ سے قریش کے وہ لوگ اس سے متاثر ہوئے جن کے اندر کچھ عاقبت اندیشی تھی۔اس طرح کے لوگوں کو مطمئن رکھنے کے لیے قریش کے لیڈروں نے یہ فلسفہ تراشا کہ ہماری طرح خدا کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ایک شخص کا پیدا ہونا، جوان ہونا پھر بوڑھا ہوکر مرجانے کا کوئی تعلق اعمال و عقائد سے نہیں ہے۔اسی طرح سے قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کا کوئی تعلق ان کے عقائد و اعمال سے نہیں ہے۔ یہ بس ایک وہم ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ جاہلی فلسفہ اب نابود ہوچکا ہے۔اس زمانے میں بھی ذہنوں پر یہی فاسد فلسفہ مسلط ہے اور ان لوگوں کے ذہنوں پر مسلط ہے جو قرآن کے حامل اور اسلام پر عامل ہونے کے مدعی ہیں۔(تدبر قرآن سے ماخوذ)

کفار و مشرکین زمانے کی گردش کو ساری کائنات اور ان کے سارے حالات کی علت قرار دیتے ہیں، حالانکہ درحقیقت یہ سب افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادے سے ہوتے ہیں۔ اس لیے احادیث میں دہر یا زمانے کو بُرا کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دہر کو بُرا نہ کہو کیونکہ دہر درحقیقت اللہ ہی ہے۔مراد یہ ہے کہ یہ جاہل جس کام کو دہر کا کام کہتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی قوت و قدرت کا کام ہے، دہر کوئی چیز نہیں ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دہر اللہ تعالیٰ کے ناموں سے کوئی نام ہو کیونکہ یہاں مجازاً اللہ کو دہر کہا گیا ہے۔(معارف القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 31)

ترجمہ

وَلِلّٰهِ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ	يَوْمَئِذٍ
اور اللہ ہی کے لیے ہے	آسمانوں اور زمین کی حکومت	اور جس دن قائم ہوگی وہ گھڑی (قیامت)	اُس دن

يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾	وَتَرٰى	كُلَّ اُمَّةٍ	جَاثِيَةً ۫	كُلُّ اُمَّةٍ
گھاٹے میں رہیں گے باطل کرنے والے	اور آپ دیکھیں گے	ہر امت کو	گھٹنوں کے بل گرنے والی حالت میں	ہر امت

تُدْعٰى	اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ	اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ	مَا
بلائی جائے گی	اپنی کتاب (نامۂ اعمال) کی طرف	آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا	وہ، جو

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾	هٰذَا كِتٰبُنَا	يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ
تم لوگ عمل کرتے تھے	یہ ہماری کتاب (ریکارڈ) ہے	یہ واضح کرکے بیان کرتی ہے تم لوگوں پر (اعمال کو)

بِالْحَقِّ ؕ	اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ	مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾
حق کے ساتھ	بے شک ہم لکھوا لیتے تھے	اس کو جو	تم لوگ عمل کرتے تھے

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	فَیُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ	فِیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ
تو وہ جو لوگ ہیں جو	ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے	نیکیوں کے	تو داخل کرے گا ان کو ان کا رب	اپنی رحمت میں

ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۳۰﴾	وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ	کَفَرُوۡا ۟ قف	اَفَلَمۡ تَکُنۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ
یہ ہی کھلی کامیابی ہے	اور وہ جو لوگ ہیں جنہوں نے	انکار کیا	تو کیا تم کو پڑھ کر سنائی نہ جاتی تھیں میری آیات

فَاسۡتَکۡبَرۡتُمۡ	وَ کُنۡتُمۡ	قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾
پھر تم بڑے بنے	اور تم لوگ تھے ہی	ایک جرم کرنے والی قوم

نوٹ: 1 لکھوانے کی صرف یہی ایک ممکن صورت نہیں ہے کہ کاغذ پر قلم سے لکھوایا جائے۔ انسانی اقوال و افعال کو ثبت کرنے اور دوبارہ ان کو بالکل اسی شکل میں پیش کر دینے کی متعدد دوسری صورتیں اسی دنیا میں خود انسان دریافت کر چکا ہے۔ اب یہ کون جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح انسان کی ایک ایک بات، اس کی حرکات وسکنات، اس کی نیتوں، ارادوں، خواہشات میں سے ہر مخفی سے مخفی شے کو ثبت کرا رہا ہے اور کس طرح وہ ہر آدمی، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا کارنامۂ حیات بے کم وکاست اس کے سامنے لا کے رکھے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

انسان کو سوچنا چاہیے کہ فضا میں ہمارے تمام اقوال و افعال کو ریکارڈ کرنے، یہاں تک کہ ذہن میں گزرے ہوئے ہر خیال اور دل میں آئی ہوئی ہر بات کو محفوظ کر لینے کے نظام کا کسی ایسی جگہ موجود ہونا ممکن ہے جو ایک دھماکے سے پھٹ کر منتشر ہونے والے اجزاء میں سے ایک جز ہے، جس کو زمین کہا جاتا ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کی بات اور ہے ورنہ ہر نارمل انسان کی عقل کا جواب ایک ہی ہوگا کہ ایسے نظام کا خود بخود وجود میں آنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ کسی پریس میں دھماکہ ہوا اور ایک ڈکشنری خود بخود وجود میں آجائے۔ یہ نظام تو اپنی زبان حال سے بول رہا ہے کہ وہ ایک علیم اور قدیر ہستی کا کارنامہ ہے۔ جس انسان کی عقل اس حقیقت کا ادراک کر لے، اس کی عقل پھر اس کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ قائم کرنے والے نے یہ نظام کیوں قائم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی علیم وقدیر ہستی کا قائم کردہ یہ انتظام بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔ اس کا کوئی مقصود ضرور ہے۔ جب انسان اس کے مقصد پر غور کرتا ہے تو اس کی عقل تسلیم کر لیتی ہے کہ اس زمین پر عارضی زندگی کے بعد یقیناً ایک زندگی ہے۔ اُس زندگی میں ہر شخص کے لیے رہائشی علاقے کا تعین، کہ کس قسم کی آب وہوا کے علاقے میں اس کو رکھا جائے، اس کے لیے کس طرح کے روٹی، کپڑے، مکان کا انتظام کیا جائے، کس طرح کے پاس پڑوس (معاشرہ) میں اس کو جگہ دی جائے اور اُس معاشرہ میں اس کا سوشل اسٹیٹس کیا ہو، اُس زندگی میں اس طرح کے تمام معاملات کا فیصلہ اس دنیا کے افکار، اقوال اور اعمال کی بنیاد پر ہونا ہے اس لیے ان کو ریکارڈ کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اسلام کے نظریۂ آخرت کا یہ وہ بنیادی خاکہ ہے جہاں تک انسانی عقل از خود پہنچ سکتی ہے البتہ اس سے آگے تفصیلات کے لیے انسانی عقل علمِ وحی کی محتاج ہے۔ کیونکہ عقل کی پہنچ صرف ان حقائق تک ہے جو انسان کے حواسِ خمسہ کے دائرے کے اندر ہیں۔ اس کائنات کے وہ حقائق جو اس دائرے کے باہر ہیں وہ انسانی عقل کی پہنچ کے بھی باہر ہیں۔ اسی لیے اللہ نے علم وحی کا انتظام کیا۔

آیت نمبر (32 تا 37)

ترجمہ

وَ اِذَا قِیۡلَ	اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ	حَقٌّ	وَّ السَّاعَةُ
اور جب کبھی کہا جاتا ہے	کہ اللہ کا وعدہ	حق ہے	اور وہ گھڑی (آنی ہے)

لَا رَیْبَ فِیْهَا	قُلْتُمْ	مَّا نَدْرِیْ	مَا السَّاعَةُ
کسی قسم کا کوئی بھی شک نہیں ہے اس میں	تو تم لوگ کہتے ہو	ہم نہیں جانتے	کیا ہے وہ گھڑی

اِنْ نَّظُنُّ	اِلَّا ظَنًّا	وَّمَا نَحْنُ	بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾
ہم نہیں گمان کرتے	مگر کچھ گمان کرنا	اور ہم نہیں ہیں	یقین حاصل کرنے والے

وَبَدَا لَهُمْ	سَیِّاٰتُ مَا	عَمِلُوْا	وَحَاقَ بِهِمْ	مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾
اور ظاہر ہوئیں ان کے لیے	اس کی برائیاں جو	ان لوگوں نے عمل کیے	اور چھا گیا ان پر	وہ جس کا یہ لوگ مذاق اڑاتے تھے

وَقِیْلَ	الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ	كَمَا نَسِیْتُمْ	لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا	وَمَاْوٰىكُمُ
اور کہا جائے گا	آج ہم بھلا دیں گے تم لوگوں کو	اس کے مانند جو تم نے بھلایا	اپنے اس دن کی ملاقات کو	اور تمہارا ٹھکانہ

النَّارُ	وَمَا لَكُمْ	مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۴﴾	ذٰلِكُمْ	بِاَنَّكُمُ	اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ
آگ ہے	اور نہیں ہے تمہارے لیے	کوئی بھی مدد کرنے والا	یہ	اس سبب سے ہے کہ تم لوگوں نے	بنایا اللہ کی نشانیوں کو

هُزُوًا	وَّغَرَّتْكُمُ	الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ	فَالْیَوْمَ	لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا	وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾
مذاق کا نشانہ	اور فریب دیا تم کو	دنیوی زندگی نے	تو آج	وہ لوگ نہیں نکالے جائیں گے اس سے	اور نہ وہ لوگ منائے جائیں گے

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ	رَبِّ السَّمٰوٰتِ	وَرَبِّ الْاَرْضِ	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾
پس اللہ ہی کے لیے تمام شکر و سپاس ہے	جو آسمانوں کا پالنہار ہے	اور جو زمین کا پالنہار ہے	جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے

وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ	فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪	وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۷﴾ ع
اور اس کے لیے ہی ساری بڑائی ہے	آسمانوں اور زمین میں	اور وہ ہی بالادست ہے حکمت والا ہے

نوٹ: 1 آیت۔32۔ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ جہاں تک گمان کا تعلق ہے، یہ منکرین بھی اپنے دل میں رکھتے ہیں لیکن ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اس کا پورا یقین ہو جائے گا تب وہ مانیں گے۔ اس یقین کے لیے ان کا (منکرین قریش کا) مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔ (آج کل کے سائنسدانوں اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ جو چیز عملی تجربہ سے تصدیق کے قابل (Practically Verifiable) نہیں ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔ مرتب) ظاہر ہے یہ ایک احمقانہ مطالبہ تھا (اور آج بھی ہے)۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ انسان صرف اسی چیز کو مانے جو اس نے آنکھوں سے دیکھی ہو۔ اس کے علاوہ کسی بات پر بھی یقین نہ کرے خواہ اس کے حق میں کتنے ہی واضح عقلی و اخلاقی دلائل موجود ہوں اگر انسان اس حد سکت سفاہت پر اتر آئے تو پھر عقل ایک بالکل مہمل چیز بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ انسان اپنے اندر عقل کے وجود کو بھی تسلیم نہ کرے۔ اس لیے کہ عقل کو بھی نہ اس نے دیکھا ہے نہ چھوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہم اور دور رس نتائج رکھنے والے امور میں ظن غالب کی رہنمائی کافی ہے۔ ایک عظیم بند جس میں شگاف پڑنے سے پورا شہر خطرہ میں پڑ سکتا ہو، ہماری توجہ کا طالب اسی وقت نہیں ہوگا جب اس میں شگاف پڑ جائے، بلکہ عاقل لوگ اس طرح کے معاملات میں بہت پہلے سے چوکنا رہتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

5796

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ الاحقاف (46)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترجمہ

حٰمٓ ۚ ①	تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ	مِنَ اللّٰهِ	الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ②
-	اِس کتاب کا اتارا جانا	اللہ (کی طرف) سے ہے	جو بالادست ہے حکمت والا ہے

مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ	اِلَّا بِالۡحَـقِّ	وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو	اور جو اُن کے درمیان ہے	مگر حق (مقصد) کے ساتھ	اور ایک مقررہ مدت کے ساتھ

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	عَمَّاۤ	اُنۡذِرُوۡا	مُعۡرِضُوۡنَ ③	قُلۡ
اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	اس سے جس سے	ان کو خبردار کیا گیا	اعراض کرنے والے ہیں	آپؐ کہیے

اَرَءَيۡتُمۡ	مَّا	تَدۡعُوۡنَ	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ	اَرُوۡنِىۡ	مَاذَا
کیا تم لوگوں نے غور کیا	ان پر جن کو	تم لوگ پکارتے ہو	اللہ کے سوا	تم لوگ دکھاؤ مجھ کو	کیا کچھ

خَلَقُوۡا	مِنَ الۡاَرۡضِ	اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ	فِى السَّمٰوٰتِ ؕ	اِيۡتُوۡنِىۡ
انہوں نے پیدا کیا	زمین سے	یا ان کے لیے کوئی شراکت ہے	آسمانوں میں	تم لوگ لاؤ میرے پاس

بِكِتٰبٍ	مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ	اَوۡ اَثٰرَةٍ	مِّنۡ عِلۡمٍ
کوئی کتاب	اس سے پہلے کی	یا (لاؤ) کچھ بچے ہوئے حصے	کسی علم سے

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ④	وَمَنۡ اَضَلُّ	مِمَّنۡ	يَّدۡعُوۡا	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو	اور کون زیادہ گمراہ ہے	اس سے جو	پکارتا ہے	اللہ کے سوا

مَنۡ	لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ	اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ	وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ	غٰفِلُوۡنَ ⑤
اس کو جو	جواب نہیں دیتا اس کو	قیامت کے دن تک	اور وہ ان کی دعا سے	غافل ہیں

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ	كَانُوۡا	لَهُمۡ اَعۡدَآءً	وَّكَانُوۡا	بِعِبَادَتِهِمۡ	كٰفِرِيۡنَ ⑥
اور جب اکٹھا کیا جائے گا لوگوں کو	تو وہ لوگ ہوں گے	ان کے دشمن	اور وہ ہوں گے	ان کے عبادت کا	انکار کرنے والے

نوٹ 1:

سورۃ الاحقاف کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہوسکتا بلکہ یہ اللہ کا ہی کلام ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اس پس منظر کو سمجھنا ہوگا جس میں سورہ نازل ہوئی۔ یہ سورہ ۱۰ نبوی کے آخر یا ۱۱ نبوی کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔ ۱۰ نبوی حیاتِ طیبہ میں انتہائی سختی کا سال تھا۔ تین سال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان اور اپنے اصحاب کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں محصور تھے۔ یہ

محاصرہ اس سال ٹوٹا ہی تھا کہ حضرت ابو طالب وفات پا گئے جو دس سال سے آپ ﷺ کے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ اس سانحے پر بمشکل ایک مہینہ گزرا تھا کہ بی بی خدیجہؓ بھی انتقال فرما گئیں جن کی ذات آغاز نبوت سے ہی آپؐ کے لیے وجۂ سکون و تسلی بنی رہی تھی۔ ان پے درپے صدموں کی وجہ سے حضورؐ اس سال کو عام الحزن فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد کفار مکہ پہلے سے زیادہ آپؐ کو تنگ کرنے لگے اور آپؐ کا گھر سے نکلنا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر کار آپؐ اس ارادے سے طائف تشریف لے گئے کہ اگر وہ لوگ اسلام نہ قبول کریں تو وہ آپؐ کو اپنے ہاں چین سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع دے دیں۔ مگر انہوں نے آپؐ کی کوئی بات نہیں مانی اور آپؐ کو نوٹس دے دیا کہ وہ شہر سے نکل جائیں۔ اور اپنے ہاں کے لفنگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ دور تک آپؐ پر آوازے کستے اور پتھر مارتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ زخموں سے چور ہو گئے۔ اس حالت میں آپؐ طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور اپنے رب سے عرض کیا:

’’خداوند، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین، تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی سے پیش آئے۔ یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پالے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں، مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا اور دنیا اور آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں۔ یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔‘‘

اس کے بعد آپؐ چند روز نخلہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ پریشان تھے کہ اب کیسے مکہ واپس جاؤں۔ طائف میں جو کچھ گزری ہے اس کی خبریں وہاں پہنچ چکی ہوں گی۔ اس کے بعد تو کفار پہلے سے بھی زیادہ دلیر ہو جائیں گے۔

یہ حالات تھے جن میں سورہ نازل ہوئی۔ جو شخص بھی ان حالات کو نظر میں رکھے گا اور اس سورہ کو بغور پڑھے گا اسے کوئی شبہ نہیں رہے گا کہ یہ محمد ﷺ کا کلام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول اللہ کی طرف سے ہی ہے، کیونکہ اوّل سے آخر تک پوری سورہ میں کہیں انسانی جذبات و تاثرات کا ایک ادنیٰ شائبہ تک نہیں پایا جاتا جو ان حالات میں گزرنے والے انسان کے اندر فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ محمد ﷺ کا کلام ہوتا، جنہیں پے درپے صدمات اور مصائب کے بے پناہ ہجوم اور طائف کے تازہ ترین چرکے نے خستہ حالی کی انتہا کو پہنچا دیا تھا تو اس سورہ میں کہیں تو ان کیفیات کا عکس نظر آتا جو اس وقت آپؐ کے دل پر گزر رہی تھیں۔ ہم نے حضورؐ کی جو دعا نقل کی ہے، اسے دیکھئے، وہ آپؐ کا اپنا کلام ہے۔ اس کا لفظ لفظ ان کیفیات سے لبریز ہے مگر یہ سورہ جو اسی زمانے اور ادنیٰ حالات میں آپؐ ہی کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے، اُن کے ہر اثر سے خالی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴۔ ص: ۵۹۶ تا ۵۹۸ سے ماخوذ)

نوٹ: 2

اَثَارَۃ اس روایت کو کہتے ہیں جو باپ دادا سے منقول ہوتی چلی آ رہی ہو۔ اس کے ساتھ مِنۡ عِلۡمٍ کی قید اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس روایت کی بنیاد محض وہم و گمان پر نہیں بلکہ علم پر ہو۔ یہ بات واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ علم یا تو اس کی کتابوں کے ذریعے سے خلق کو منتقل ہوا ہے مثلاً تورات و انجیل وغیرہ، یا روایات و آثار کے ذریعے سے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کی تعلیمات بعد والوں کو روایات ہی کے ذریعہ سے پہنچیں۔ ان ذرائع سے جو علم منتقل ہوا اس میں کہیں شرک کے حق میں کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ تورات، انجیل اور دوسرے صحیفوں میں اگرچہ بہت سی تحریفات ہو چکی ہیں، تاہم ان کے اندر شرک کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے متعلق جو روایات تورات، انجیل یا دوسرے صحیفوں میں نقل ہوئی ہیں ان میں بھی شرک کا کوئی جرثومہ نہیں ہے۔ مشرکین عرب اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ہونے کے مدعی ضرور تھے لیکن یہ ثابت کرنے سے قاصر رہے کہ ان کے باپ دادا کے طریقہ کی بنیاد کس شرعی یا عقلی دلیل پر تھی۔ (تدبر قرآن)۔

6790

آیت نمبر (7 تا 14)

ترجمہ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور جب کبھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو	ہماری آیتیں	واضح ہوتے ہوئے	تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا

لِلْحَقِّ	لَمَّا جَآءَهُمْ	هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝7	اَمْ يَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰىهُ
اس حق (قرآن) کے لیے	جب وہ آیا ان کے پاس	ایک کھلا جادو ہے	یا (پھر) وہ کہتے ہیں	اس نے گھڑا اس کو

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ	فَلَا تَمْلِكُوْنَ	لِيْ	مِنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا
آپؐ کہیے اگر میں نے گھڑا اس کو	تو تم لوگ اختیار نہیں رکھتے ہو	میرے بارے میں	اللہ سے	کسی چیز کا

هُوَ اَعْلَمُ	بِمَا	تُفِيْضُوْنَ	فِيْهِ	كَفٰى بِهٖ	شَهِيْدًۢا
وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے	اس (بات) کو	تم لوگ چرچا کرتے ہو	جس کا	وہ کافی ہے	بطور گواہ کے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ	وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝8	قُلْ مَا كُنْتُ	بِدْعًا	مِّنَ الرُّسُلِ
میرے درمیان اور تمہارے درمیان	اور وہ ہی بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	آپؐ کہیے میں نہیں ہوں	کوئی نیا نویلا	رسولوں میں سے

وَمَآ اَدْرِيْ	مَا يُفْعَلُ	بِيْ	وَلَا بِكُمْ	اِنْ اَتَّبِعُ	اِلَّا مَا
اور میں نہیں جانتا	کیا کیا جائے گا	میرے ساتھ	اور نہ تمہارے ساتھ (کیے جانے کو)	میں پیروی نہیں کرتا	سوائے اس کے جو

يُوْحٰٓى اِلَيَّ	وَمَآ اَنَا	اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝9	قُلْ اَرَءَيْتُمْ	اِنْ كَانَ
وحی کیا گیا میری طرف	اور میں نہیں ہوں	مگر ایک واضح خبردار کرنے والا	آپؐ کہیے کیا تم لوگوں نے غور کیا	اگر یہ (قرآن) ہوا

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	وَكَفَرْتُمْ بِهٖ	وَ	شَهِدَ	شَاهِدٌ	مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اللہ کے پاس سے	اور انکار کیا تم نے اس کا	حالانکہ	گواہی دی	ایک گواہی دینے والے نے	بنی اسرائیل میں سے

عَلٰى مِثْلِهٖ	فَاٰمَنَ	وَاسْتَكْبَرْتُمْ	اِنَّ اللّٰهَ	لَا يَهْدِي
اس کے جیسی (کتاب) پر	پھر وہ ایمان لایا	اور تم نے (پھر بھی) اکڑ دکھائی	(تو) یقیناً اللہ	ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝10	وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	لَوْ كَانَ خَيْرًا	مَّا سَبَقُوْنَآ
ظلم کرنے والی قوم کو	اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے انکار کیا	ان کے لیے جو ایمان لائے	اگر یہ ہوتا بہتر	تو یہ لوگ آگے نہ نکلتے ہم سے

اِلَيْهِ	وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ	فَسَيَقُوْلُوْنَ	هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝11
اس کی طرف	اور جب انہوں نے ہدایت نہیں پائی اس کے ذریعہ	تو وہ لوگ کہیں گے	یہ ایک بہت پرانا بہتان ہے

وَمِنْ قَبْلِهٖ	كِتٰبُ مُوْسٰٓى	اِمَامًا وَّ رَحْمَةً	وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ
اور اس (کتاب) سے پہلے	موسیٰؑ کی کتاب تھی	امام اور رحمت ہوتے ہوئے	اور یہ ایک (اس کی) تصدیق کرنے والی کتاب ہے

لِّسَانًا عَرَبِيًّا	لِّيُنْذِرَ	الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	وَبُشْرٰى	لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾
عربی زبان میں ہوتے ہوئے	تا کہ یہ (کتاب) خبردار کرے	ان کو جنھوں نے ظلم کیا	اور بشارت ہوتے ہوئے	خوب کاروں کے لیے

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا	رَبُّنَا اللّٰهُ	ثُمَّ اسْتَقَامُوْا	فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾
بیشک جن لوگوں نے کہا	ہمارا رب اللہ ہے	پھر وہ قائم رہے (اس پر)	تو کوئی خوف نہیں ہے ان پر	اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	جَزَآءً	بِمَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾
یہ لوگ جنت والے ہیں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے اس میں	بدلہ ہوتے ہوئے	اس کا جو	یہ لوگ کرتے تھے

نوٹ:1

آیت۔9۔کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا بجز اس کے جو مجھ پر وحی کی جائے۔امورِ غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو،خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا امت کے مومن و کافر لوگوں سے اور خواہ وہ معاملہ دنیا کا ہو یا آخرت کا،اس کی مجھے کچھ خبر نہیں۔امورِ غیبیہ کے متعلق میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سب وحیٔ الٰہی سے کہتا ہوں۔تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور دنیا و آخرت میں پیش آنے والے اہم معاملات سے آپؐ کو بذریعہ وحی باخبر نہیں کر دیا گیا۔رہا اشخاص و افراد کے جزوی شخصی حالات و معاملات کہ زید کل کیا کام کرے گا اور اس کے کام کا انجام کیا ہوگا،عمرو اور بکر اپنے اپنے گھروں میں کیا کر رہے ہیں یا کریں گے،ایسے امورِ غیبیہ کا علم نہ کوئی کمال ہے نہ ان کے نہ ہونے سے کمالِ نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب یہ ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ آپؐ غیب نہیں جانتے تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو امورِ غیب کا بہت بڑا علم دیا تھا جو انبیاء میں سے کسی دوسرے کو نہیں ملا۔(معارف القرآن)۔

نوٹ:2

مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے آیت۔۱۰ میں گواہ سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو لیا ہے جو مدینہ میں ایمان لائے تھے۔اس لیے ان مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔اس تفسیر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔(بخاری۔مسلم۔نسائی) مگر دوسری طرف کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ پوری سورہ مکی ہے۔ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ اوپر سے سارا سلسلۂ کلام مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے چلا آرہا ہے اور آگے بھی سارا خطاب انہی سے ہے۔اس سیاق وسباق میں یکایک مدینہ میں نازل ہونے والی ایک آیت کا آجانا قابل تصور نہیں ہے۔جن مفسرین نے اس دوسرے قول کو قبول کیا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت کو رد نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت چونکہ عبداللہ بن سلامؓ کے ایمان لانے پر بھی چسپاں ہوتی ہے اس لیے حضرت سعدؓ نے قدماء کی عادت کے مطابق یہ فرما دیا کہ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب وہ ایمان لائے اس وقت انہی کے بارے میں نازل ہوئی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قبول ایمان پر یہ پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔

اس کے بعد یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ اس گواہ سے مراد کون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد موسیٰؑ ہیں۔ لیکن بعد کا یہ فقرہ کہ وہ ایمان لے آیا اور تم اپنے گھمنڈ میں پڑے رہے، اس تفسیر کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ زیادہ صحیح بات وہی معلوم ہوتی ہے جو ابن کثیرؒ نے بیان کی ہے کہ یہاں گواہ سے مراد کوئی خاص شخص نہیں بلکہ بنی اسرائیل کا ایک عام آدمی ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ قرآن جو تعلیم پیش کر رہا ہے یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ اس سے پہلے یہی تعلیمات اسی طرح وحی کے ذریعہ بنی اسرائیل کے سامنے کتب آسمانی کی شکل میں آ چکی ہیں اور ان کا ایک عام آدمی ان کو مان چکا ہے۔ اس لیے تم لوگ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وحی اور تعلیمات ناقابل فہم چیزیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارا گھمنڈ ایمان لانے میں مانع ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (15 تا 16)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ	بِوَالِدَيْهِ	اِحْسٰنًا	حَمَلَتْهُ	اُمُّهٗ	كُرْهًا وَّ
اور ہم نے تاکید کی انسان کو	اپنے والدین سے	حسن سلوک کرنے کی	اس کا (حمل) اٹھایا	اس کی ماں نے	تکلیف دہ ہوتے ہوئے

وَضَعَتْهُ	كُرْهًا	وَحَمْلُهٗ	وَفِصٰلُهٗ	ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا	حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ
اور اس نے جنا اس کو	تکلیف دہ ہوتے ہوئے	اور اس کا (حمل) اٹھانا	اور اس کا (دودھ) چھڑانا	تیس مہینے ہیں	یہاں تک کہ وہ پہنچے

اَشُدَّهٗ	وَبَلَغَ	اَرْبَعِيْنَ سَنَةً	قَالَ	رَبِّ اَوْزِعْنِىْٓ
اپنی پختگی کو	اور وہ پہنچے	چالیس سال کو	(تو) وہ کہے	اے میرے رب تو میرے دل میں ڈال دے

اَنْ اَشْكُرَ	نِعْمَتَكَ الَّتِىْٓ	اَنْعَمْتَ عَلَىَّ	وَعَلٰى وَالِدَىَّ	وَاَنْ اَعْمَلَ
کہ میں شکر ادا کروں	تیری اس نعمت کا جو	تو نے انعام کی مجھ پر	اور میرے والدین پر	اور یہ کہ میں عمل کروں

صَالِحًا	تَرْضٰىهُ	وَاَصْلِحْ	لِىْ	فِىْ ذُرِّيَّتِىْ	اِنِّىْ تُبْتُ	اِلَيْكَ
ایسی نیکی کا	تو پسند کرے جس کو	اور تو اصلاح کر دے	میرے لیے	میری اولاد میں	بیشک میں نے رجوع کیا (توبہ کی)	تیری طرف

وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿15﴾	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ
اور بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں	یہ وہ لوگ ہیں	ہم قبول کرتے ہیں جن سے

اَحْسَنَ مَا	عَمِلُوْا	وَنَتَجَاوَزُ	عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ
اس کے بہترین کو جو	ان لوگوں نے عمل کیا	اور ہم درگزر کرتے ہیں	ان کی برائیوں سے

فِىْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ	وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِىْ	كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿16﴾
(وہ لوگ) جنت والوں میں ہیں	اس سچائی کا وعدہ ہوتے ہوئے جو	ان سے وعدہ کیا جاتا تھا

نوٹ: 1

آیت۔15۔ میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت کی ہے۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر بھی ودیعت فرمائی ہے اور اسی کی تعلیم تمام انبیاء اور اس کے نیک بندوں نے بھی دی ہے۔ یہ حقیقت تمام مذاہب و ادیان میں ابتدا سے مسلم رہی ہے کہ خدا کے بعد انسان پر سب سے بڑا حق اس کے ماں باپ ہی کا ہے بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ جہاں تک شعور میں آنے کا تعلق ہے، ماں باپ کا حق سب سے پہلے شعور میں آتا ہے۔ پھر اسی حق کے شعور سے انسان خدا اور اس کے حقوق کے شعور تک ترقی کرتا ہے۔ جب تک انسان بچہ رہتا ہے اس وقت تک وہ سب کچھ ماں باپ ہی کو سمجھتا ہے۔ لیکن جب وہ سنِ رُشد کو پہنچتا ہے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی

ہے کہ اصلی منعم وہ پروردگار ہے جس نے ماں باپ کو بھی وجود بخشا ہے۔اس طرح وہ ماں باپ کی انگلی پکڑ کر خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے اندر ماں باپ کے حق سے بھی بڑے حق کا شعور بیدار رہتا ہے۔اور یہی دو حق انسان پر سب سے بڑے ہیں اور پھر انہی دو حقوں سے بہت سے حقوق کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔(تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (17 تا 20)

ترجمہ

وَالَّذِيْ قَالَ	لِوَالِدَيْهِ	اُفٍّ لَّكُمَآ	اَتَعِدٰنِنِيْٓ	اَنْ اُخْرَجَ
اور وہ جس نے کہا	اپنے والدین سے	تم دونوں پہ افسوس ہے	کیا تم دونوں مجھے دھمکی دیتے ہو	کہ مجھ کو نکالا جائے گا

وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ	مِنْ قَبْلِيْ	وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ
حالانکہ گزر چکی ہیں قومیں	مجھ سے پہلے	اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے

وَيْلَكَ	اٰمِنْ	اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	حَقٌّ	فَيَقُوْلُ	مَا هٰذَآ اِلَّآ
(پھر بیٹے سے کہتے ہیں) بربادی ہے تیرے لیے	تو ایمان لا	یقیناً اللہ کا وعدہ	سچ ہے	تو وہ کہتا ہے	نہیں ہیں یہ مگر

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿17﴾	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	حَقَّ عَلَيْهِمُ	الْقَوْلُ
پہلے لوگوں کے افسانے	یہ وہ لوگ ہیں	ثابت ہوئی جن پر	وہ (عذاب کی) بات

فِيْٓ اُمَمٍ	قَدْ خَلَتْ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
(وہ) ایسی قوموں میں ہیں جو	گزر چکی ہیں	ان سے پہلے	جنوں اور انسانوں میں سے

اِنَّهُمْ كَانُوْا	خٰسِرِيْنَ ﴿18﴾	وَلِكُلٍّ	دَرَجٰتٌ	مِّمَّا عَمِلُوْا
بیشک وہ لوگ تھے	خسارہ پانے والے	اور سب کے	کچھ درجے ہیں	اس میں سے جو ان لوگوں نے عمل کیا

وَلِيُوَفِّيَهُمْ	اَعْمَالَهُمْ	وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿19﴾
اور تاکہ وہ (اللہ) پورا پورا دے ان کو	ان کے اعمال (کا بدلہ)	اور ان لوگوں پر ظلم (حق تلفی) نہیں کیا جائے گا

وَيَوْمَ يُعْرَضُ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	عَلَى النَّارِ	اَذْهَبْتُمْ
اور جس دن پیش کیے جائیں گے	وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	آگ پر	(تو کہا جائے گا) تم لوگ لے گئے

طَيِّبٰتِكُمْ	فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا	وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا	فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
اپنی پاکیزہ (چیزوں) کو	اپنی دنیوی زندگی میں	اور تم لوگوں نے فائدہ اٹھایا ان سے	پس آج تم لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا

عَذَابَ الْهُوْنِ	بِمَا	كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ	فِي الْاَرْضِ
ذلت کے عذاب کا	بسبب اس کے جو	تم لوگ بڑے بنے پھرتے تھے	زمین میں

بِغَيۡرِ الۡحَقِّ	وَبِمَا	كُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ ۝٢٠
حق کے بغیر	اور بسبب اس کے جو	تم لوگ نافرمانی کرتے رہتے تھے

نوٹ: 1 آیت۔19۔ میں وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ کا مطلب ہے کہ نہ اچھے لوگوں کی نیکیاں ضائع ہوں گی، نہ بُرے لوگوں کو ان کی واقعی برائی سے بڑھ کر سزا دی جائے گی۔ نیک آدمی اگر اپنے اجر سے محروم رہ جائے یا اپنے استحقاق سے کم اجر پائے تو یہ بھی ظلم ہے اور بُرا آدمی اپنے کیے کی سزا نہ پائے یا جتنا قصور اس نے کیا ہے اس سے زیادہ سزا پائے تو یہ بھی ظلم ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2 آیت۔20۔ میں ہے کہ کفار سے کہا جائے گا کہ تم نے کچھ اچھے کام اگر دنیا میں کیے تھے تو اس کا بدلہ بھی تمہیں دنیا میں دیا جا چکا ہے، اب آخرت میں تمہارا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نیک اعمال جو ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، آخرت میں تو ان کی کوئی قیمت نہیں مگر دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ اس کو دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (21 تا 26)

ح ق ف

(ن) حُقُوۡفًا ہرن کا ریت کے تودہ میں بیٹھنا۔

حِقۡفٌ ج اَحۡقَافٌ۔ ریت کا لمبا اور پیچ دار تودہ۔ زیر مطالعہ آیت۔21۔

ترجمہ

وَاذۡكُرۡ	اَخَا عَادٍ	اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ	بِالۡاَحۡقَافِ	وَقَدۡ خَلَتِ
اور آپ یاد کریں	عاد کے بھائی ہودؑ کو	جب انہوں نے خبردار کیا اپنی قوم کو	احقاف (کے علاقے) میں	حالانکہ گزر چکے تھے

النُّذُرُ	مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ	وَمِنۡ خَلۡفِهٖۤ	اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا	اِلَّا اللّٰهَ
خبردار کرنے	انؑ کے آگے (والے علاقے) سے	اور انؑ کے پیچھے (والے علاقے) سے	کہ تم لوگ بندگی مت کرو (کسی کی)	سوائے اللہ کے

اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ	عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝٢١	قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا
بیشک میں ڈرتا ہوں تم لوگوں پر	ایک عظیم دن کے عذاب سے	ان لوگوں نے کہا کیا تو آیا ہمارے پاس

لِتَاۡفِكَنَا	عَنۡ اٰلِهَتِنَا	فَاۡتِنَا	بِمَا	تَعِدُنَاۤ
تاکہ تو پھیر دے ہم کو	ہمارے خداؤں سے	پس تو لے آ	اس چیز کو جس کا	تو وعدہ کرتا ہے ہم سے

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝٢٢	قَالَ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ	عِنۡدَ اللّٰهِ	وَاُبَلِّغُكُمۡ
اگر تو ہے سچ کہنے والوں میں سے	انہوںؑ نے کہا (اس کا) پورا علم تو بس	اللہ کے پاس ہے	اور میں پہنچاتا ہوں تم لوگوں کو

مَّاۤ	اُرۡسِلۡتُ بِهٖ	وَلٰكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ	قَوۡمًا	تَجۡهَلُوۡنَ ۝٢٣
اس چیز کو	میں بھیجا گیا جس کے ساتھ	اور لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگوں کو	ایک ایسی قوم (کہ)	تم لوگ نادانی کرتے ہو

فَلَمَّا رَاَوۡهُ	عَارِضًا	مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ	قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ
پھر جب ان لوگوں نے دیکھا اس (عذاب) کو	بادل ہوتے ہوئے	ان کی وادیوں کے سامنے آنے والا ہوتے ہوئے	تو انہوں نے کہا یہ ایک بادل ہے

مُّمۡطِرُنَا ؕ	بَلۡ هُوَ	مَا	اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ	رِيۡحٌ	فِيۡهَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ﴿۲۴﴾
(بارش) برسانے والا ہے ہم پر	بلکہ وہ	وہ ہے	تم جلدی مچاتے تھے جس کی	(یہ) ایک ایسی ہوا ہے	جس میں ایک دردناک عذاب ہے

تُدَمِّرُ	كُلَّ شَيۡءٍۭ	بِاَمۡرِ رَبِّهَا	فَاَصۡبَحُوۡا لَا يُرٰٓى
وہ ہلاک کرتی ہے	ہر چیز کو	اپنے رب کے حکم سے	پھر وہ ہو گئے (ایسے کہ کوئی ایک بھی) نہیں دیکھا جاتا

اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ	كَذٰلِكَ نَجۡزِى	الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾	وَلَقَدۡ مَكَّنّٰهُمۡ
سوائے ان کے ٹھکانوں کے	اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں	جرم کرنے والی قوم کو	اور بیشک ہم اختیار دے چکے ان کو

فِيۡمَاۤ	اِنۡ مَّكَّنّٰكُمۡ فِيۡهِ	وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ	سَمۡعًا وَّ اَبۡصَارًا وَّ اَفۡـِٕدَةً ۖ
اس میں	ہم نے اختیار نہیں دیا تم کو جس میں	اور ہم نے بنائے (دیئے) ان کے لیے	سماعت اور بصارت اور دل

فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ	سَمۡعُهُمۡ	وَلَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ	وَلَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ	مِّنۡ شَيۡءٍ
پھر کام نہ آئے ان کے	ان کی سماعت	اور نہ ان کی بصارتیں	اور نہ ان کے دل	کسی بھی چیز میں

اِذۡ كَانُوۡا يَجۡحَدُوۡنَ ۙ	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	وَحَاقَ بِهِمۡ	مَّا	كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۲۶﴾
جب وہ جانتے بوجھتے انکار کرتے تھے	اللہ کی نشانیوں کا	اور گھیرے میں لے لیا ان کو	اس چیز نے	وہ لوگ جس کا مذاق اڑاتے تھے

نوٹ: 1 چونکہ سردارانِ قریش اپنی بڑائی کا زعم رکھتے تھے اور اپنی ثروت پر پھولے نہ سماتے تھے، اس لیے یہاں ان کو قومِ عاد کا قصہ سنایا جا رہا ہے جس کے متعلق عرب میں مشہور تھا کہ قدیم زمانے میں وہ اس سرزمین کی سب سے زیادہ طاقتور قوم تھی۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ: 2 آیت۔26۔ میں ایک اہم حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کی آیات ہی وہ چیز ہیں جو انسان کو حقیقت کا صحیح فہم و ادراک بخشتی ہیں۔ یہ فہم و ادراک انسان کو حاصل ہو تو وہ آنکھوں سے ٹھیک دیکھتا ہے، کانوں سے ٹھیک سنتا ہے، دل و دماغ سے ٹھیک سوچتا ہے اور صحیح فیصلے کرتا ہے۔ لیکن جب وہ آیاتِ الٰہی کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اسے نگاہِ حق شناس نصیب نہیں ہوتی، کان رکھتے ہوئے بھی وہ ہر کلمۂ نصیحت کے لیے بہرا ہوتا ہے اور دل و دماغ کی جو نعمتیں خدا نے اسے دی ہیں ان سے الٹی سوچتا اور ایک سے ایک غلط نتیجہ اخذ کرتا چلا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 32)

ترجمہ

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا	مَا حَوۡلَكُمۡ	مِّنَ الۡقُرٰى	وَصَرَّفۡنَا الۡاٰيٰتِ
اور بیشک ہم ہلاک کر چکے	اس کو جو تمہارے ارد گرد ہیں	بستیوں میں سے	اور ہم نے بار بار بیان کیا آیتوں کو

لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۷﴾	فَلَوۡلَا نَصَرَهُمُ	الَّذِيۡنَ	اتَّخَذُوۡا	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
شاید وہ لوگ لوٹ آئیں	تو کیوں نہیں مدد کی ان کی	ان لوگوں نے جن کو	ان لوگوں نے بنایا	اللہ کے علاوہ

قُرۡبَانًا	اٰلِهَةً ؕ	بَلۡ ضَلُّوۡا عَنۡهُمۡ ۚ	وَذٰلِكَ اِفۡكُهُمۡ	وَمَا	كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۸﴾
قربت حاصل کرنے کے لیے	معبود	بلکہ وہ سب گم ہو گئے ان سے	اور یہ ان کا جھوٹ تھا	اور وہ (بھی) جو	یہ گھڑتے تھے

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ	نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ	يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ	فَلَمَّا حَضَرُوْهُ
اور جب ہم نے پھیرا آپؐ کی طرف	ایک ٹولی کو جنوں میں سے	سنتے ہوئے قرآن کو	پھر جب وہ سامنے آئے اس (قرآن پڑھنے) کے

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ	فَلَمَّا قُضِيَ	وَلَّوْا	اِلٰى قَوْمِهِمْ	مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾
تو انہوں نے کہا چپ چاپ سنو	پھر جب وہ (قرآن پڑھنا) پورا کیا گیا	تو وہ سب واپس لوٹے	اپنی قوم کی طرف	خبردار کرنے والے ہوتے ہوئے

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ	اِنَّا سَمِعْنَا	كِتٰبًا	اُنْزِلَ	مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى	مُصَدِّقًا
انہوں نے کہا اے ہماری قوم	بیشک ہم نے سنا	ایک ایسی کتاب کو جو	نازل کی گئی	موسیٰؑ کے بعد	تصدیق کرنے والی ہوتی ہوئے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	يَهْدِيْٓ	اِلَى الْحَقِّ	وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾
اس کی جو اس کے سامنے (پہلے) ہے	(وہ) رہنمائی کرتی ہے	حق کی طرف	اور ایک سیدھے راستے کی طرف

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا	دَاعِيَ اللّٰهِ	وَاٰمِنُوْا بِهٖ	يَغْفِرْ لَكُمْ
اے ہماری قوم تم لوگ کہا مانو	اللہ کی دعوت دینے والے کا	اور تم لوگ ایمان لاؤ اس پر	تو وہ (اللہ) بخش دے گا تمہارے لیے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	وَيُجِرْكُمْ	مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾	وَمَنْ لَّا يُجِبْ	دَاعِيَ اللّٰهِ
تمہارے گناہوں میں سے	اور وہ امان دے گا تم کو	ایک دردناک عذاب سے	اور جو کہا نہیں مانے گا	اللہ کی دعوت دینے والے کا

فَلَيْسَ	بِمُعْجِزٍ	فِى الْاَرْضِ	وَلَيْسَ لَهٗ
تو وہ نہیں ہے	عاجز کرنے والا	زمین میں	اور نہیں ہیں اس کے لیے

مِنْ دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءُ ۭ	اُولٰۗىِٕكَ	فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾
اس (اللہ) کے سوا	کچھ کارساز لوگ	وہ لوگ	کھلی گمراہی میں ہیں

نوٹ: 1 آیت۔ 29۔ کی تفسیر میں جو روایات متعدد صحابہ کرامؓ اور دوسرے بزرگوں سے منقول ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ جنوں کی پہلی حاضری کا یہ واقعہ، جس کا اس آیت میں ذکر ہے بطن نخلہ میں پیش آیا تھا۔ وہاں عشا یا فجر یا تہجد کی نماز میں آپؐ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ آپؐ کی قرأت سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس کے ساتھ تمام روایات اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس موقعہ پر جن حضورؐ کے سامنے نہیں آئے تھے۔ نہ آپؐ نے ان کی آمد کو محسوس کیا تھا بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپؐ کو ان کے آنے اور قرآن سننے کی خبر دی۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جنوں کے پے در پے وفود نبی ﷺ کے پاس حاضر ہونے لگے اور آپؐ سے ان کی رُو در رُو ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس بارے میں جو روایات کتب حدیث میں منقول ہیں ان کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں کم از کم چھ وفد آئے تھے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2 یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی ﷺ جنات کے بھی اسی طرح رسول ہیں۔ جس طرح ہمارے لیے ہیں۔ اس کا جواب نفی میں دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ آگے آیت۔ 31 میں جنوں کا یہ قول موجود ہے کہ ''اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ''۔ دوسری طرف رسولوں کے باب میں سنتِ الٰہی تو یہ رہی ہے کہ وہ اسی قوم کے اندر سے مبعوث ہوئے جس کی دعوت پر وہ مامور ہوئے۔ اسی قوم کی زبان میں انہوں نے دعوت پیش کی اور قوم ہی کے اندر انہوں نے زندگی گزاری۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ جب جنوں اور انسانوں کی خلقت دو متضاد عناصر سے ہوئی ہے تو لازماً دونوں کی سرشت اور مزاج، دونوں کی معاشرتی اور تمدنی ضروریات اور دونوں کے احکام و شرائع میں بڑا فرق ہوگا۔ اس لیے ان میں اگر مشترک ہو سکتے ہیں تو توحید، معاد اور خیر و شر کے بنیادی کلمات ہی ہو سکتے ہیں، باقی امور الگ الگ

ہوں گے۔اس وجہ سے قرآن ان کی رہنمائی، عقائد اور اخلاقی کلیات کی حد تک کرسکتا ہے۔کیونکہ جہاں تک کلیاتِ دین کا تعلق ہے وہ نہ صرف انسانوں اور جنوں کے درمیان بلکہ فرشتوں کے درمیان بھی مشترک ہیں۔جس طرح داؤدؑ کے نغماتِ حمد میں پرندے اور پہاڑ ان کی ہمنوائی کرتے تھے، اسی طرح جنوں کے صالحین کی اس پارٹی نے قرآن سنا تو عش عش کر اٹھی اور انہوں نے اپنی قوم کو بھی توحید و آخرت پر ایمان لانے اور خدا کے عذاب سے ڈرتے رہنے کی دعوت دی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کی بنیادی دعوت انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے یکساں ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ جنوں کے لیے بھی اسی طرح رسول تھے جس طرح انسانوں کے لیے تھے۔جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے ان کی بات اس سنتِ الٰہی کے خلاف ہے جو قرآن میں رسالت سے متعلق نہایت وضاحت سے بیان ہوئی ہے۔(تدبر قرآن، ج7،ص380 تا 382 سے ماخوذ)۔

آیت نمبر (33 تا 35)

ع ی ی

(س) عَيَاءً کام کرنے سے عاجز ہونا۔تھک جانا۔زیر مطالعہ آیت۔33۔

ترجمہ

اَوَ لَمْ يَرَوْا	اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	وَلَمْ يَعْيَ
کیا ان لوگوں نے غور ہی نہیں کیا	کہ وہ اللہ جس نے	پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو	اور وہ نہیں تھکا

بِخَلْقِهِنَّ	بِقٰدِرٍ	عَلٰٓى اَنْ	يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ	بَلٰٓى اِنَّهٗ
ان کو پیدا کرنے سے	قادر (نہیں) ہے	اس پر کہ	وہ زندہ کرے مردوں کو	کیوں نہیں یقیناً وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾	وَيَوْمَ يُعْرَضُ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	عَلَى النَّارِ ؕ
ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	اور جس دن پیش کیے جائیں گے	وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	آگ پر

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ	قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ	قَالَ	فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
(تو پوچھا جائے گا) کیا یہ برحق نہیں ہے	وہ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے رب کی قسم	کہے گا (ان کا رب)	تو (اب) چکھو عذاب کو

بِمَا	كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾	فَاصْبِرْ	كَمَا صَبَرَ	اُولُوا الْعَزْمِ	مِنَ الرُّسُلِ
بسبب اس کے جو	تم لوگ انکار کرتے تھے	پس آپ صبر کریں	اس کے جیسا جو صبر کیا	عزم والوں نے	رسولوں میں سے

وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ	كَاَنَّهُمْ	يَوْمَ يَرَوْنَ	مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ
اور آپ جلدی نہ کریں ان کے لیے	جیسے کہ وہ لوگ (سمجھیں گے)	جس دن دیکھیں گے	اس کو جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

لَمْ يَلْبَثُوْٓا	اِلَّا سَاعَةً	مِّنْ نَّهَارٍ ؕ	بَلٰغٌ ۚ
(کہ) وہ نہیں ٹھہرے (دنیا میں)	مگر ایک گھڑی بھر	ایک دن میں سے	(یہ) پہنچا دینا ہے

فَهَلْ يُهْلَكُ	اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع
پھر کیا (کون) ہلاک کیا جائے گا	سوائے نافرمانی کرنے والی قوم کے

نوٹ: 1 اس سورہ کے شروع میں وہ پس منظر واضح کیا گیا ہے جس میں یہ سورہ نازل ہوئی تھی۔ان حالات وواقعات کو ذہن میں تازہ کریں اور پھر سوچیں کہ جب یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گزر گیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے رہا ہے کہ آپ صبر کریں جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور آپ جلدی نہ کریں۔تب کچھ اندازہ ہوگا کہ کس درجہ کا صبر اور عزم اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، خصوصاً ان لوگوں سے جو کارِ انبیاء یعنی دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔پھر یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ کسی دینی جماعت کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ ان کی جلد بازی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شارٹ کٹ اختیار کر لیتے ہیں۔(حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے کیسٹ سے ماخوذ)

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com ,www.khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد